گوشۂ ادب رثائی

مرثیہ در احوال حضرت قاسمؑ (بند-۱۰۰)

سلطان الشعراء مولانا سید محمد کاظم جاوید آجتہادی مرحوم

(۱)

شکر صد شکر کہ پھر آج زباں کھلتی ہے
حسن سے پھر گرہِ طبع رواں کھلتی ہے
بات ہر اک صفت راز نہاں کھلتی ہے
نفع بھی عام ہے جس کا وہ دکاں کھلتی ہے
گرم بازار ہے اس جنس کے بازاروں کا
ٹوٹے پڑتے ہیں یہ عالم ہے خریداروں کا

(۲)

ہے جدا سب سے جہاں میں مرے کہنے کا طریق
لوگ سمجھے ہیں مجھے مالکِ مُلک تحقیق
ساتھ دیتا ہے سخن جب تو یہی بس ہے رفیق
کوئی مثل اس کے نہ مونس ہے نہ ہمدم نہ شفیق
صحبتیں ایسی بھی تنہائی میں کم ہوتی ہیں
دل سے ہوتی ہیں جو باتیں وہ رقم ہوتی ہیں

(۳)

دیکھ کر رنگ سحر شرم سے پنہاں ہوا ماہ
اس طرف کھل گئی خورشید کے آنے کی بھی راہ
یاں برآمد ہوئے خیمہ سے امامؑ ذیجاہ
سوئے گردوں گئی ملنے کو ملائک سے نگاہ
صورت آب نظر آئی نہ مردم کے لئے
خاک پر بیٹھ گئے آپ تیمم کے لئے

(۴)

آئے سجادۂ طاعت پہ امامؑ عالم
سب کھڑے ہو گئے مل کر کہ رہیں یوں باہم
نور سے چہروں کے خورشید کا بھی نور ہے کم
ایک کا ایک شریک ایک کا ہے اک ہمدم
شان کہتی ہے کہ دم بھر میں لڑائی ہوگی
ابھی اک جا ہیں پر اعضا میں جدائی ہوگی

(۵)

سر جھکائے ہوئے تھے محو عبادت میں جری
پیاس سے نام کو ہونٹوں پہ نہ باقی تھی تری
ختم ہونے بھی نہ پائی تھی نسیم سحری
بڑھ گئی اور بھی کفار کی بیداد گری
اور کوئی نہ تھا کیا داد وغا دینے کو
تیر آئے بھی تو پیغام قضا دینے کو

(۶)

لیکے رخصت رفقائے شہ دیں جانے لگے
خلد سے حوروں کے[1] پیغام انہیں آنے لگے
زخم تلواروں کے سینوں پہ جری کھانے لگے
دیر جن کو ہوئی مرنے میں وہ گھبرانے لگے
خون میں ڈوبی ہوئی باد بہاری آئی
رودئے آپ عزیزوں کی جو باری آئی

(۱) کو

(۷)

خود اٹھا لاتے تھے جاکر شہ صفدر لاشے
صبح سے آتے تھے ڈیوڑھی پہ برابر لاشے
اس سے پوچھے کوئی اب اٹھتے ہیں کیونکر لاشے
صبح سے جس نے اٹھائے ہوں بہتر لاشے
تیرہ دنیا ہوئی سب رشکِ قمر قتل ہوئے
انتہا یہ ہے کہ زینبؑ کے پسر قتل ہوئے

(۸)

حال اب حضرت قاسمؑ کا سنیں اہلِ عزا
ان کے مرنے کا بھی ہنگام قریں آپہنچا
کم سنی ہو توسوا ہوتا ہے کچھ جوش وغا
دیکھتے ہیں عجب انداز سے روئے آقا
یہی مطلب ہے کہ مجھ کو بھی اجازت مل جائے
یہ نگاہوں سے ہویدا ہے کہ رخصت مل جائے

(۹)

عرض کی رعب سے حضرت کے نہیں ہے جرأت
یاد وہ آتی ہے جو خاص ہے مجھ[1] پر شفقت
بھائی سے کہتے ہیں اب آپ دلا دیں رخصت
ہوں فدا پائے شہ دیں پہ یہی ہے حسرت
مجھ کو بھی اذن وغائے سپہِ شام ملے
میں بھی جنت میں پہنچ جاؤں تو آرام ملے

(۱۰)

دل جو پہلو میں تھا اب وہ بھی جدا ہے بھائی
اپنی کوتاہئ قسمت کا گلا ہے بھائی
دیر ہونے کا سبب جنگ میں کیا ہے بھائی
خیر بہتر ہے ہمارا بھی خدا ہے بھائی
تیر، پیغامِ طلب لے کے ادھر آتے ہیں
ہم تو مرنے کی تمنا میں مرے جاتے ہیں

(۱۱)

کہا اکبرؑ نے مناسب نہیں تم کو اصرار
صبح سے کیسی مصیبت میں ہیں شاہ ابرار
روز روشن بھی شب تار کے مانند ہے تار
تم ابھی چپ رہو زیبا نہیں اس میں تکرار
حق محبت کے جو ہیں کچھ تو ادا ہوجائیں
اب مناسب ہے کہ ہم تم پہ فدا ہوجائیں

(۱۲)

سن کے یہ اور پریشان ہوئے ابن حسنؑ
خدمت شہ میں یہ حاضر ہوئے بارنج ومحن
عرض کی جوڑ کے ہاتھوں کو کہ اے شاہ زمن
دیکھئے لٹ چکا غربت میں پھوپھی کا بھی چمن
اس طرح سے بھی کبھی خاک میں حسرت نہ ملے
اب سوا میرے کسی کو بھی اجازت نہ ملے

(۱۳)

شہ نے فرمایا یہ کیا کہتے ہو اے لخت جگر
پاس لازم ہے مجھے تم ہو حسنؑ کے دلبر
اب اگر جائیں تو بہتر ہے کہ جائیں اکبر
خود شہید اب ہوں اگر ہم تو ہے سب سے بہتر
ہے قریب اب کہ جگر شق ہو وفور غم سے
تم جوانوں کے تو لاشے نہ اٹھیں گے ہم سے

(۱۴)

دیکھو رلواؤ نہ مجھ کو کہ برا ہے مرا حال
دل ہجوم الم وغم سے ہوا ہے پامال
تا قیامت جو رہے دل میں یہی ہے وہ ملال
شب کو شادی ہوئی اس وقت چلے اے مرے لال
رنج یہ بعد فنا بھی نہیں کم ہوتا ہے
وہ بہت ہوتا ہے شادی میں جو غم ہوتا ہے

(۱)ان

(۱۵)

کہہ کے یہ ہوگئے خاموش شہ عرش جناب
سن کے حضرت کا بیاں اور ہوئے یہ بیتاب
گر پڑے پاؤں پہ قاسم کہ بنا کچھ نہ جواب
سر جھکا کر یہ کہا شہ سے بصد شرم وحجاب
جان جائے گی جواب بھی نہ شہادت ہوگی
اب نہ جاؤں گا تو بابا کو شکایت ہوگی

(۱۶)

شہ نے فرمایا کہ بہتر ہے سدھارو بیٹا
ہاں اب اس امر میں ہمت کو نہ ہارو بیٹا
برچھیاں سینۂ مجروح پہ مارو بیٹا
گر کے گھوڑے سے تمہیں خیر سدھارو بیٹا
دل بہل جاتا ہے کچھ نالہ و فریاد سے بھی
جا کے مل آؤ ذرا مادرِ ناشاد سے بھی

(۱۷)

سن چکے آپ جو ارشاد شہ عرش جناب
آئے ملنے کیلئے گھر میں کہ تھی دل کو نہ تاب
تن میں پوشاک وہ کچھ اور وہ کچھ فصل شباب
رخ پہ رخصت کے نہ ملنے کا وہ کچھ غیظ وعتاب
یہ حسیں گھر میں جو آتے ہوئے شرماتا تھا
حسن جاگی ہوئی آنکھوں کا بڑھا جاتا تھا

(۱۸)

اشک آنکھوں میں بھرے دیکھ کے ماں نے یہ کہا
تم نے اب تک سپہِ شام سے کیوں کی نہ وغا
خیر انجام ہے جو خوب وہ معلوم ہوا
رن سے کیوں چھوڑ کے حضرت کو تم آئے بیٹا
جو بلا آئی ہے ہم سب پہ وہ آساں ہوتی
باپ کے پاس پہنچتے تو میں شاداں ہوتی

(۱۹)

میری جاں حال کا شاہد ہے مرے رب صمد
حجت حق پہ یہ صدمے ہیں کہ جس کی نہیں حد
ابھی جانے میں تمہیں کوئی نہ کوشش ہے نہ کد
تم نے کی قبلۂ عالم کی ابھی تک نہ مدد
آج ارمان ہے کچھ اور دل مضطر میں
اس پہ روتی ہوں کہ کیوں لاش نہ آئی گھر میں

(۲۰)

کیا کہوں صبح سے کیا کیا ہوئی مجھ کو الجھن
شہ پہ صدقے ہوئے زینب کے بھی وہ غنچہ دہن
مل گیا خاک میں سب فاطمہ زہراؑ کا چمن
بدلے پوشاک کے پہنا نہ مری جان کفن
کھیل سمجھا کئے تم لاشے پہ لاشا دیکھا
تم نے بچوں کے بھی لڑنے کا تماشا دیکھا

(۲۱)

کیوں نہ تم نے کیا آقا سے وغا پر اصرار
قتل ہونا کوئی آسان نہیں اے دلدار
آئے ہو گھر میں تو پھر ہاتھ سے رکھ دو تلوار
کہا زینبؑ نے یہ کیا کہتی ہو تم اے غمخوار
رن میں یہ جاتے ہیں میں نے یہ خبر پائی ہے
گھر میں اک رات کے دولہا کو قضا لائی ہے

(۲۲)

سن کے یہ جوش محبت سے ہلے قلب وجگر
خود بھی بیتاب ہوئیں دیکھ کے، روئے دلبر
ان کے مرنے کی جو دی دل کے دھڑکنے نے خبر
تھام کر دستِ پسر کہنے لگی وہ مضطر
ٹھنڈی سانسیں اسی انجام سے تم لیتے ہو
کیا سمجھتے ہو جو بیوہ کو دغا دیتے ہو

(۲۳)

تم کو ہے جوشِ وغا، موت سے ہے شوق وصال
یوں چلے تم کہ ہوئے سینوں میں دل بھی پامال
یہ بھی اپنوں کی زبانی ہے کہ غیر اس کا ہے حال
ہائے کچھ بھی نہیں اک رات کی بیاہی کا خیال
گل جو دو ایک ہیں وہ بھی نہ چمن میں ہوں گے
جس میں مہندی ہے یہی ہاتھ کفن میں ہوں گے

(۲۴)

کچھ تڑپنے کا مرے دل پہ اثر ہے کہ نہیں
چاک صدمے سے مری جان جگر ہے کہ نہیں
گھر میں کہرام جو ہے اس پہ نظر ہے کہ نہیں
کچھ دلہن کے بھی تڑپنے کی خبر ہے کہ نہیں
ایسی تقدیر کسی کی بھی نہ ہوتی ہوگی
دل یہ کہتا ہے کہ گھونگھٹ میں وہ روتی ہوگی

(۲۵)

تم بھی دیکھ آؤ مرے کنبے کو اے نور نظر
جاؤ مرنے کے لئے عذر نہیں، اے دلبر
کہا قاسم نے کہ جو حکم، وہی ہے بہتر
مل گیا اذن وغا اس سے نہیں ہوں مضطر
مطمئن دل ہوا کچھ رنج کے پہلو نہ رہے
جو کہ پہلے تھے وہ اب آنکھوں میں آنسو نہ رہے

(۲۶)

ہاتھ میں شیر نے خود اٹھ کے اٹھائی تلوار
عرض کی جاتا ہوں رخصت کو نہیں کچھ تکرار
ہاں مگر موت کی تاخیر سے سینہ ہے فگار
حکم دے دیجئے خادم سے[(۱)] کہ لائے رہوار
نخل امید کو کچھ برگ ملے بار ملے
واں سے آلوں، تو سواری مجھے تیار ملے

(۱) کو

(۲۷)

آئے حجلہ میں دولہن کے تو ہوا دل بے چین
خاک میں مل گئی مسند کی جو تھی زیب وزین
وہ بھی چہرے سے ہویدا ہیں کئے ہیں جو بین
ایک نے ہائے حسنؑ اک نے کہا ہائے حسینؑ
ماں پہ نوشاہ کی یہ دوسری آفت آئی
مل کے وہ دونوں جو روئے تو قیامت آئی

(۲۸)

کہا قاسمؑ نے کہ رونے کا نہیں کچھ حاصل
چین کیا آئے اسے دیکھے جو تم کو بسمل
آج مرنے سے نہ مرنا ہے زیادہ مشکل
کچھ کہو منہ سے کہ صدمے سے گھٹا جاتا ہے دل
نصرتِ شہ سے بھی بہتر کہیں طاعت ہے کوئی
میرے مرنے کی مصیبت بھی مصیبت ہے کوئی

(۲۹)

پیٹ کر سینۂ وسر ہاتھ سے کبریٰ نے کہا
خاص تم نے ہمیں آفت میں گرفتار کیا
کوئی ہم سا نہ جہاں میں ہو گرفتارِ بلا
ہائے افسوس مقدر میں یہ کیا لکھا تھا
باوفا ہوتے ہیں ایسے بھی یہ چرچا رہ جائے
میں بھی گھٹ گھٹ کے جو مرجاؤں تو پردہ رہ جائے

(۳۰)

ماں نے گھبرا کے کہا دیر کا حاصل کیا ہے
نام کو ہو نہ کشش جس میں وہ منزل کیا ہے
بے ثباتی سے جہاں رہنے کے قابل کیا ہے
اپنے کہنے میں جو مطلق نہ ہو وہ دل کیا ہے
اک تعلق ہے یہاں نالہ و فریاد کے ساتھ
جاؤ رو لے گی دولہن مادرِ ناشاد کے ساتھ

(۳۱)

اٹھے روتے ہوئے قاسم کہ نہ تھی ضبط کی تاب
گھر کا کہرام بھی دیتا تھا قیامت کا جواب
تھی دولہن سر کو جھکائے ہوئے باشرم وحجاب
طالب جنگ جو تھے کھل گئے سب موت کے باب
سوچے حاصل نہیں اس دہر میں کچھ بھی رہ کے
اٹھے پہلو سے خدا حافظ وناصر کہہ کے

(۳۲)

مل چکا اکبرؑ و عباسؑ سے جب وہ جرار
جھک کے تسلیم کی حضرتؑ کو بصد عزو وقار
آئے تانے ہوئے سینے کو قریب رہوار
کہہ کے یا حیدرؑ صفدر ہوئے گھوڑے پہ سوار
سر پہ خود سایہ فگن رحمت باری دیکھی
بڑھ کے حضرتؑ نے بھی دولہا کی سواری دیکھی

(۳۳)

ابھی پہنچا تھا نہ وہ شیر قریب لشکر
اک تلاطم ہوا فوجیں ہوئیں سب زیر وزبر
پیک نے دی پسرِ سعدِ ستمگر کو خبر
آگیا بہرِ وغا اب دل و جانِ حیدرؑ
اب جگہ رونے کی ہے اور محل آہ کا ہے
کیوں نہ ہو شیر یہ پوتا اسد اللہ کا ہے

(۳۴)

کہا غازی نے کدھر[۱] ہیں وہ اکڑنے والے
مثل تصویر ہیں باتوں میں بگڑنے والے
کس طرف چھپ گئے ہیں دل کے پکڑنے والے
ہیں یہی لوگ جو مشہور تھے لڑنے والے
ٹوک دے کوئی تو پھر ضبط کہیں رہتا ہے
خوب حیدرؑ سے لڑے ہوں گے یہ دل کہتا ہے!

(۳۵)

جس سے دل الجھیں وہ ہاتھوں کی صفائی کیا ہے؟
جو برائی سے بری ہے وہ برائی کیا ہے؟
جو نہ لے جائے فلک تک وہ رسائی کیا ہے؟
جو نہ پہنچے سرگردوں وہ دوہائی کیا ہے؟
خیر ہشیار رہو جنگ کو ہم آتے ہیں
بے کھنچے تیغ کے جوہر تو چھپے جاتے ہیں

(۳۶)

ذبح کرنے میں جو رک جائے وہ خنجر کیا ہے؟
جو فقط دیکھنے کا ہو وہ دلاور کیا ہے؟
ایک سے لاکھ جو پسپا ہوں تو بہتر کیا ہے؟
جمع ہو جو کہ ہزیمت پہ وہ لشکر کیا ہے؟
اب تلک جنگ کو آیا نہ دلاور کوئی
فوج کس کام کی جس کا نہ ہوافسر کوئی

(۳۷)

دو قدم چل کے جو رک جائے وہ جادہ کیا ہے؟
نشہ جرأت کا گھٹے جس سے وہ بادہ کیا ہے؟
جس سے دل تنگ ہوں سینہ وہ کشادہ کیا ہے؟
خاتمہ کا ہے یہ مضموں کہ ارادہ کیا ہے؟
دل نہ اس وقت تلک جنگ سے عاری ہوگا
جب تلک خون نہ میدان میں جاری ہوگا

(۳۸)

سن کے یہ آگے بڑھے لوگ، چلی فوج گراں
تیر برسانے لگے ان پہ، جو تھے دشمن جاں
دیکھا شہزادے نے کس غیظ سے رنگ میداں
کھینچی پھر میان سے وہ تیغ نہ تھی جس سے اماں
ناز کرتی ہوئی شمشیر شرر بار کھنچی
جس میں جوہر تھے ہزاروں وہی تلوار کھنچی

(۱) کہاں

(۳۹)

ہر قوی دل کو یہ بے حال کئے جائے گی
خوں سے میدان ستم لال کئے جائے گی
جب تلک گردشیں ہر ڈھال کئے جائے گی
چال سے اپنی یہ پامال کئے جائے گی
شور تھا فوج میں ختم اس نے لڑائی کردی
یونہی اٹھ بیٹھ کے لشکر کی صفائی کردی

(۴۰)

جوش لشکر کا بڑھا کیوں نہ سمندر کی طرح
مطمئن پھرتی ہے میدان میں یہ گھر کی طرح
آستین الٹے ہوئے فاتح خیبر کی طرح
سارے لشکر پہ یہ غالب ہوئے حیدرؑ کی طرح
اپنے مطلب کی اگر ہے بھی تو حیرانی ہے
در خیبر کے نہ ملنے کی پریشانی ہے

(۴۱)

قابل مدح ہے اس پیاس میں قاسم کا جہاد
شب کو شادی ہوئی تھی دن کو بر آئی ہے مراد
قتل کتنوں کو کیا یہ بھی نہیں آپ کو یاد
دیکھ کر بازوؤں کو اپنے ہوئے جاتے ہیں شاد
باتیں جرأت کی ہیں جتنی وہ انھیں بھاتی ہیں
انگلیاں تیغ کے قبضہ پہ بنی جاتی ہیں

(۴۲)

جان لیتی ہے جو تلوار تو انداز کے ساتھ
دل سے وہ کھنچ کے جو نکلی تو کسی راز کے ساتھ
کوچۂ زخم جگر میں پھری کس ناز کے ساتھ
سر دشمن پہ جو گرتی ہے تو آواز کے ساتھ
دل بسمل کو اداؤں سے وہ تڑپاتی ہے
لیجئے آج تو کہہ کہہ کے اجل آتی ہے

(۴۳)

کبھی کہتی تھی میں غصہ میں بھری ہوں کہ نہیں
آج میں مالک خشکی و تری ہوں کہ نہیں
اب مُزیل غم درد جگری ہوں کہ نہیں
جس کی ہے دل میں جگہ میں وہ پری ہوں کہ نہیں
ذوالفقار اسد حق سے نہ کچھ کم کہنا
جان جب تک ہے مجھے قاتل عالم کہنا

(۴۴)

ایک گمنام بھی ہوں شہرۂ آفاق بھی ہوں
ملنے والے کی طبیعت پہ بہت شاق بھی ہوں
کوئی لڑنے کو اگر آئے تو مشتاق بھی ہوں
زر جاں لینے میں میں طاق بھی مشاق بھی ہوں
جھک کے مل جانے سے دل پہلے تو رکھ لیتی ہوں
بعد، کھوٹا کہ کھرا ہے میں پرکھ لیتی ہوں

(۴۵)

گھر کے گھر کردئے ہیں بے سروساماں میں نے
چاک لاکھوں کے کئے آج گریباں میں نے
جو لہو میں نہ بھرے پائے وہ داماں میں نے
اب تو بے پردہ دکھایا رخ تاباں میں نے
صاف کہتی ہوں کہ ہر ایک مزا چکھے گا
شرم گھونگھٹ کے اٹھانے کی خدا رکھے گا

(۴۶)

سرکشی کرتی ہوں لڑنے میں نشاں کے مانند
زیب گردوں ہوں کبھی کاہکشاں کے مانند
کبھی ظاہر ہوئی میں حسن بتاں کے مانند
کبھی باطن میں ہوں پنہاں رگ جاں کے مانند
کہیں چھپتی ہے کوئی بات بھی کہنے والی
ہوں کبھی خون کبھی خون کی بہنے والی

(۴۷)

یادگار آج ہے عالم میں حسنؑ کا دلبر
سر سے تا پا مجھے نوشاہ پہ لازم ہے نظر
بس اسی وجہ سے اک حال پہ کی عمر بسر
میں سمجھتی تھی کہ کاٹھی بھی مروت کا ہے گھر
میان تک اب تو میں بھولے سے بھی جاسکتی نہیں
دیکھ کر ان کو میں جامے میں سما سکتی نہیں

(۴۸)

گردشیں کرنے سے آوارہ وطن ہوں کہ نہیں
زخم دیتی ہوں تو پھر رشک چمن ہوں کہ نہیں
میں بہار گل نسرین و سمن ہوں کہ نہیں
میں بھی دولہا کی ہوں تلوار دلہن ہوں کہ نہیں
سرکشی کرتی ہوں رتبہ جو ہے بالا میرا
جان دے دیتا ہے منھ دیکھنے والا میرا

(۴۹)

آگ زخموں سے بدن میں میں لگا دیتی ہوں
چل کے سوتے ہوئے فتنوں کو جگا دیتی ہوں
اپنے دامن کی کبھی غش میں ہوا دیتی ہوں
نہیں معلوم کہ کیا لیتی ہوں کیا دیتی ہوں
آنکھ ہر ایک سے ہے چار، پشیمان نہیں
زخم کو لے کے جو دے جان تو احسان نہیں

(۵۰)

سچ ہے کچھ حد نہیں دنیا میں مرے کینے کی
اب تلک آگ بجھی کچھ نہ مرے سینے کی
خود دعا کرتی ہوں نوشاہ کے میں جینے کی
آرزو ہے ابھی ازرق کے لہو پینے کی
اب ظفر لکھ دے اگر نامہ نگار اچھا ہے
یہ تو سب صید زبوں تھے وہ شکار اچھا ہے

(۵۱)

دل کے لے لینے میں غافل بھی ہوں، ہشیار بھی ہوں
ناریوں سے ہو لڑائی تو شرر بار بھی ہوں
ہاتھ میں جس کے ہوں میں اس کی طرفدار بھی ہوں
جس کو سب کہتے ہیں تلوار وہ تلوار بھی ہوں
خون لاکھوں کے کئے ہیں جو محل آیا ہے
جوہروں کو مری رفتار نے سلجھایا ہے

(۵۲)

رن میں ہنگامۂ محشر جو بپا تھا ہر سو
شام و رے تک تو پہنچنے لگی تھی خون کی بو
کاٹ کر سر جو اٹھی کہنے لگے عربدہ جو
پی لیا اس نے کسی اور کا پھر گرم لہو
اس نزاکت پہ بھی یہ بار گراں اٹھنے لگا
دیکھ لو پہلے سے اس کے دھواں اٹھنے لگا

(۵۳)

ذکر رفتار کو سن سن کے فرس ہے بیتاب
اسپ نوشاہ ہے در اصل جہاں میں نایاب
تیر جانے میں اگر ہے تو روانی(۱) میں سحاب
چال سے اپنی جو دیتا ہے تو دیتا ہے جواب
سارے عالم پہ وہ مخفی نہیں جو کہہ گئی ہے
منزلوں تھک کے کہیں دور ہوا رہ گئی ہے

(۵۴)

تیز ایسا ہے کہ جس کا نہیں عالم میں نظیر
حسن بڑھتا ہوا کرتا ہے دلوں کو تسخیر
کہہ رہی ہے یہ ہوا پست ہے میری تقدیر
اس کے ملنے کی بتادے مجھے کوئی تدبیر
لب تلک ہجر کے صدموں کا نہ شکوا آیا
ٹھنڈی سانسیں مجھے لینے کے سوا کیا آیا

(۱) ہے آنے

(۵۵)

کس طرح اس فرس خوب کو انداز آئے
دل جو حوروں کے ملے کیوں نہ اسے ناز آئے
دیکھنے والے یہ کہتے ہیں کہ ہم باز آئے
ضد یہ تھی ساتھ قدم کے بھی نہ آواز آئے
یہ اشارے ابھی ان انکھڑیوں کے کہہ گئے ہیں
وہیں ڈھونڈھیں کہ جہاں نقش قدم رہ گئے ہیں

(۵۶)

سر پٹک کر بھی ہوا کو نہ ملا اس کا سراغ
ہر کنوتی سے خجل کیوں نہ ہو ہر غنچہ باغ
آج ہے فخر و تکبر سے سر عرش دماغ
نقش پا جتنے ہیں اتنے ہی تو روشن ہیں چراغ
ہے حسد جن کو وہ بیکار جلے جاتے ہیں
ان کا پر تو ہے ستارے جو نظر آتے ہیں

(۵۷)

یہ فرس تھم کے چلے گر تو کوئی کام چلے
یہ ہوا میں نہیں طاقت ہے کہ دو گام چلے
اس سے چلتا ہے کہ راکب کا سدا نام چلے
مثل خورشید جو مغرب سے سر شام چلے
ہر جگہ اس کی رسائی ہو خبر سے پہلے
حد مشرق میں پہنچ جائے سحر سے پہلے

(۵۸)

ساقیا! جام پلا اب تو بڑی دیر ہوئی
مجھ پہ پھر کیوں نگہ قہر و غضب شیر ہوئی
عمر میری یونہی کچھ مانگنے میں تیر ہوئی
صبح کی مے سے طبیعت نہ مری سیر ہوئی
مئے گلرنگ کدھر اب ہے کہاں ساقی ہیں
نشہ اترا ہے مرے ہوش نہیں باقی ہیں

(۵۹)

دوریٔ مے کے کچھ آساں نہیں صدمے سہنا
ناگوار آج ہے اشکوں کا برابر بہنا
مجھ کو بھاتا نہیں تصویر کا چپکا رہنا
آسمانوں کو ہلادوں تو شرابی کہنا
کاملوں میں بھی مری نظم کا چرچا ہوجائے
وہ تلاطم ہو کہ مجلس تہہ وبالا ہوجائے

(۶۰)

پسر سعد نے ازرق کو بلا کر یہ کہا
تو نے بھی جنگ کا دولہا کی تماشا دیکھا
ٹکڑے ٹکڑے ہے ہر اک دل، یہ ہوا ہے نقشا
ہے یہ حیرت کہ تجھے کیوں نہ ہوا جوش وغا
جا بس اب رن میں مناسب تجھے تکرار نہیں
کہا ازرق نے مجھے جنگ سے انکار نہیں

(۶۱)

کی مگر تونے یہ تقریر خلاف آداب
ایک بچے سے لڑوں میں مجھے رکھ اس سے معاف
دیکھ یہ امر مری شان کے بالکل ہے خلاف
چار فرزند ہیں کردیں گے وہ میدان کو صاف
تجھ سے بھی، مجھ سے بھی محنت کا صلہ پائے گا
جس سے کہہ دوں گا وہ سر کاٹ کے لے آئے گا

(۶۲)

پسر سعد نے کچھ سوچ کے یہ اس سے کہا
اور اگر قتل ہو یہ تو تجھے کیا ہے زیبا
کہا ہے دوسرا فرزند کرے گا وہ وغا
کہا مرجائے اگر وہ بھی تو انجام ہے کیا
کہا ہر طرح سے اپنی سی یہ کرجائیں گے
بے لڑے میں نہ رہوں گا جو یہ مرجائیں گے

(۶۳)

افسر فوج پکارا کہ یہی تھا مطلب
ان میں سے بھیج دے اب ایک کو زیبا ہے یہ اب
حکم ملنا تھا کہ بس رہ گئے منہ دیکھ کے سب
وہ بڑھا جنگ کو، تھا جس کو پدر کا نہ ادب
رعب دکھلانے کو اب ٹھاٹھ بدلتا ہے یہی
بے ادب گو ہے مگر کہنے پہ چلتا ہے یہی

(۶۴)

سامنے آتے ہی ظالم نے لگائے کئی تیر
تیر خالی جو گئے ہوگیا حیراں بے پیر
جنگ میں ہو جوگئی حد سے زیادہ تاخیر
شاہزادے نے بھی اور اس نے بھی کھینچی شمشیر
اس کی تلوار بھلا خون میں کب بھر کے اٹھی
ان کی تلوار جو اٹھی بھی تو دو کر کے اٹھی

(۶۵)

دوسرا بعد اجازت ہوا گھوڑے پہ سوار
سامنے شیر کے ڈرتا ہوا آیا رہوار
پاس آتے ہی دلاور نے لگائی تلوار
ہو کے دو ٹکڑے گرا زین فرس سے غدار
کچھ نئے طرز سے پھر جنگ کا آہنگ کیا
اور اک ہاتھ لگا کر اسے چو رنگ کیا

(۶۶)

تیسرا بہر وغا لے کے چلا، یاں سے کمند
اس کی کیا اصل، نہیں شیر سے لڑنے میں یہ بند
فضلِ خالق سے نہ پہنچائے سے بھی پہنچی گزند
ان کو حیدر کی لڑائی کے طریقے تھے پسند
نشہ جرأت کا جو تھا سر میں وہ کافور ہوا
یوں اٹھا کر اسے پٹکا کہ بدن چور ہوا

(۶۷)

چوتھے فرزند کے لڑنے کا بھی سنئے مذکور
گو ہے میدان میں لیکن ہے بہت آپ سے دور
صاف پیدا ہے نگاہوں سے کہ میں ہوں مجبور
گر یہی ہے تو یہیں قتل کریں آ کے حضور
ہو کے برہم یہ دلاور وہیں دم میں پہنچا
پاؤں اس کا نہ بڑھا تھا کہ عدم میں پہنچا

(۶۸)

کہیں کم ہوتا ہے آیا ہوا ضیغم کا جلال
کہا ازرق سے دلاور نے قدم آگے نکال
اب تو ہم کو بھی یہ ضد ہے کہ کریں گے پامال
بوجھ دیتے ہیں رکابوں پہ یہ غصہ کا ہے حال
غش تصور سے لڑائی کے جو آتا ہے اسے
شیر انگڑائیاں لے لے کے بلاتا ہے اسے

(۶۹)

ساقیا دیر ہوئی دے دے مجھے جام پہ جام
تجھ سے وعدہ جو نہ کرتا تو نہ لیتا ترا نام
زندگی ہے مئے خوش رنگ کی دوری سے تمام
مجھ کو انگڑائیاں آتی ہیں کہ ہونے کو ہے شام
کردے ہشیار نہ میدان ہو سونا جس سے
مئے دو آتشہ دے رنگ ہو دونا جس سے

(۷۰)

ہاں حریص اب صفت مردم آبی ہوں میں
دل کے ہاتھوں کے سبب خانہ خرابی ہوں میں
ادھر آ شیفتۂ روئے کتابی ہوں میں
جام کوثر جو پئے گا وہ شرابی ہوں میں
جام دے آج پہ ذلت نہ کسی خواری سے
میری غفلت بھی تو خالی نہیں ہشیاری سے

(۷۱)

آئے ہیں میکدے میں آج مقدروالے
چپکے بیٹھے ہوئے ہیں سب دل مضطر والے
دل سے بڑھ کر کہیں بیتاب ہیں باہر والے
ہم شرابی ہیں مگر ساقیٔ کوثر والے
خوب مطلب وہ سمجھ جائے گا جو ہوش میں ہے
میرے دورے سے شراب آج کے دن جوش میں ہے

(۷۲)

ایک دو جام میں میرا تو نہ کچھ ہوگا بھلا
مئے گلرنگ دئے جا تو ہو احسان ترا
اب جو باتوں میں لگائے گا تو ہوگا شکوا
دیکھ پھر ہاتھ رکا ہوش میں آ ہوش میں آ
تجھ کو کیوں میری طرح آج کے دن جوش نہیں
دیکھ ہشیار ہوں میں بھی ابھی بے ہوش نہیں

(۷۳)

بے خودی یہ تھی کہ مجھ کو نہ ہوئی کچھ بھی خبر
ہاں یہ سب تھا مرے ساقی کی عنایت کا اثر
واہ ذکر طلب مئے میں ادھر لب رہے تر
آچکا ازرق شامی بھی مقابل پہ ادھر
کس تزک سے سرمیداں وہ بد انجام آیا
اپنے شیشوں کو ہٹا، جنگ کا ہنگام آیا

(۷۴)

لے کے نیزے کو بڑھا یاستم آرانے سمند
نہ بندھے پستی تقدیر سے نیزے کے بھی بند
پہنچی کچھ بھی تن فرزند حسنؑ کو نہ گزند
ہنس کے فرمایا لڑائی تری آئی نہ پسند
ہاتھ میں رہ گیا بھالا کہیں آیا نہ گیا
جم کے اک ہاتھ بھی تجھ سے تو لگایا نہ گیا

(۷۵)

پھینکی آخر کو کمند اس نے کہ کرلوں میں اسیر
کج ہوئے زین فرس پر یہ ادھر بے تاخیر
چل سکی مثل کمند اس کی نہ یہ بھی تدبیر
تار تار اس کو کیا، کھینچ کے پیاری شمشیر
کچھ سبب چاہئے خوبیٔ مقدر کے لئے
کہا دولہا نے یہ سہرا ہے ترے سر کے لئے

(۷۶)

گہہ سناں سے وہ لڑا گاہ تبر سے وہ لڑا
کروفر سے یہ لڑے اور ہنر سے وہ لڑا
رعب دکھلا نے کو گہ تند نظر سے وہ لڑا
کچھ لڑا بھی تو فقط جان کے ڈر سے وہ لڑا
شام ورے تک تو ہزیمت کی خبر جائے گی
جانتا تھا کہ جو بھاگوں گا تو موت آئے گی

(۷۷)

توڑتے تھے جو فلک کو وہ کدھر چھپ گئے تیر
اب قلم ہوگا سر اس کا، نہیں کچھ بھی تاخیر
خود ادھر کھینچ کے لائے گی کمر کی زنجیر
سبقِ ظلم وستم کو نہ کرے یاد شریر
کچھ تن وتوش بڑھا اور جودم پھولا ہے
آج بچے کی لڑائی میں سبق بھولا ہے

(۷۸)

دی یہ ازرق نے صدا گھاٹ پہ ہے فوج گراں
لڑ وہاں جاکے کہ نکلے کوئی دل کا ارماں
جی بہل جائے گا گر خوں کا ہوا بحر رواں
کہا قاسم نے کہ چھوڑیں گے نہ ہم تو میداں
بزدلا جو ہو وہ لڑنے کو نہ تنہا نکلے
تو انہیں لے کے یہیں آ کہ تمنا نکلے

(۷۹)

کہا عباسؑ دلاور نے کہ ماشاء اللہ
معرکہ تھا یہ بڑا اب یہی کشتے ہیں گواہ
جم کے لڑسکتی نہیں تم سے سپاہ گمراہ
اب یہ ازرق کی لڑائی ہے لڑے خوب نگاہ
نصرت شہ میں بزرگوں کی دعا لو بیٹا
اب مناسب ہے کہ تلوار سنبھالو بیٹا

(۸۰)

آخری معرکہ جنگ ہے قاسم ہشیار
ذکر اس جنگ کا رہ جائے گا تاروزشمار
ہاتھ دکھ جائے گا بے کار نہ تولو تلوار
اُنہیں چاروں کی طرح آئے تو کردو اسے چار
اک ذرا ہاتھ کو تکلیف دو سینہ پوچھو[1]
خون میں جوش ہے ماتھے کا پسینہ پوچھو

(۸۱)

گھاٹ پرلوگ جو ہیں رنج انہیں سہنے دو
خوں کا دریا یہیں بہتا ہے تو ہاں بہنے دو
جاؤ دریا پہ نہ لڑنے کو اسے کہنے دو
بات کوئی تو بزرگوں کے لئے رہنے دو
پاس لازم ہے کہ رشتہ بھی بہت پاس کا ہے
چھیننا نہر کا یہ کام تو عباسؑ کا ہے

(۸۲)

پہلے اس جنگ کو کیا جانئے وہ کیا سمجھا
گردش بخت کو وہ رخش کا کاوا سمجھا
مدِ آہِ دل مضطر کو بھی نیزا سمجھا
خون چار آئینوں کا دیکھ کے دریا سمجھا
اک جگہ چین نہ لینے سے وہ سیماب بنا
پھر یہ کیا بات کہ دل ماہیٔ بے آب بنا

(۸۳)

سیدھی باتوں کو بھی برگشتہ مقدر سمجھا
دامن زیں کو بھی وہ دامن محشر سمجھا
سایۂ تیغ کو بھی تیغ دو پیکر سمجھا
جو کھنچے بھی تھے نہ ابرو انہیں خنجر سمجھا
طرفہ گردش اسے قسمت کے پلٹنے سے ہوئی
آستیں چیں بہ جبیں دل کے الٹنے سے ہوئی

(۸۴)

ساعت خواب وہ ہنگام جدل کو سمجھا
مختصر آج کے دن طول عمل کو سمجھا
ثمر باغ جہاں تیغ کے پھل کو سمجھا
بات کرنے کے بھی قابل نہ اجل کو سمجھا
اب سوا صبر کے اس وقت میں چارا کیا ہے
جان چپکے سے جو دے دے تو اجارا کیا ہے

(۸۵)

اس کی حالت کو ادھر شمر بد اختر سمجھا
مڑ کے لشکر نے کہا جا کے مکرر سمجھا
کہا شہزادے نے اب دل کو ستمگر سمجھا
وہ سمجھنے نہ سمجھنے کو برابر سمجھا
آبرو آج کے دن خاک میں مل جائے گی
اور سمجھا تو یہ سمجھا کہ اجل آئے گی

(۸۶)

لڑتے لڑتے کہا غازی نے بصد غیظ وعتاب
اب ترے ہوش ٹھکانے نہیں او خانہ خراب
تنگ ٹوٹا ہوا ہے اس سے فرس ہے بیتاب
سوچ کر کچھ نہ دلاور کو دیا اس نے جواب
لے گئے ساتھ بصارت کو بھی دلبر اس کے
سر کا جھکنا تھا کہ موت آگئی سر پر اس کے

(۱) جابجا خون کی کچھ چھینٹیں ہیں سینہ پونچھو☆اب تو رومال سے چہرے کا پسینہ پونچھو

(۸۷)

اب تلک تو نہ گئی اور نہ آئی تلوار
سرکا جھکنا تھا کہ ضیغم نے اٹھائی تلوار
خوب دکھلا گئی ہاتھوں کی صفائی تلوار
یا علیؑ کہہ کے دلاور نے لگائی تلوار
نہ ادھر بڑھ کے گرا اور نہ ادھر ہٹ کے گرا
پاؤں پرحضرت قاسمؑ کے وہ سرکٹ کے گرا[1] *

(۸۸)

اب یہ سینے کوبھی تیروں سے بچا سکتے نہیں
ڈھال بھی سامنے ہروار پہ لاسکتے نہیں
اب ہواسے بھی پسینہ کو سکھا سکتے نہیں
ماں سے ملنے کے لئے گھر میں بھی جاسکتے نہیں
تیر سینے پہ پڑے ہیں جو بڑی کثرت سے
دیکھتے ہیں رخ عباسؑ عجب حسرت سے

(۸۹)

زخمی کرنے کو قریب آگئے بدخو لاکھوں
ٹوٹے پڑتے ہیں ستم گار وجفا جو لاکھوں
ایک دامن پہ ٹپک پڑتے ہیں آنسو لاکھوں
یوں بھی گرنے کے نظر آتے ہیں پہلو لاکھوں
اب گرے گا تو نہ اٹھے گا زمیں سے سہرا
سرخ اب ہوگیا ہے خونِ جبیں سے سہرا

(۹۰)

آخر کار گرا اسپ سے وہ رشک قمر
دی خبر دوڑ کے حضرت کو یہ اکبرؑ نے ادھر
لیجئے قتل ہوا حضرت شبرؑ کا پسر
خاک اڑانے لگے شبیرؑ، سنی جب یہ خبر
کبھی اکبر سے کہا خاک اڑانے کو چلو
کبھی بھائی سے کہا لاش اٹھانے کو چلو

(۹۱)

اس طرف دوڑتے تھے دشت ستم میں رہوار
اک نئی طرح کی دیتا تھا خبر اٹھ کے غبار
اس طرف جاتے تھے پیدل ادھر آتے تھے سوار
بیچ میں لاش تھی اور گرد تھے لاکھوں غدار
فتح اُن کی توشکست اِن کی بہر حال ہوئی
کچھ ابھی دم تھا کہ لاش آپ کی پامال ہوئی

(۹۲)

یہ خبر سنتے ہی مقتل کی طرف شاہ چلے
کیا کہوں ہائے کہ کس حال سے وہ راہ چلے
خاک اڑاتے ہوئے با نالۂ جاں کاہ چلے
اکبر وحضرت عباسؑ بھی ہمراہ چلے
دھوپ کا قرب تھا اور پاس نہ تھی چھاؤں کہیں
یوں ملی لاش کہ تھا ہاتھ کہیں پاؤں کہیں

(۹۳)

خاک آلودہ یکایک نظر آیا لاشا
کہا اکبر نے یہ قسمت نے دکھایا لاشا
جھک کے عباس نے سینے سے لگایا لاشا
ایک کا ذکر ہے کیا سب نے اٹھایا لاشا
خون جو رہ گیا تھا خاک کو وہ دے کے چلے
لاش جرار کی ہاتھوں پہ یہ سب لے کے چلے

(۹۴)

قتل ہونے سے ہوئے اور بھی سب میں ممتاز
ہے عجب حال سے ہاتھوں پہ وہ پروردۂ ناز
اب نہ وہ حسن نہ وہ شان نہ وہ ہیں انداز
دی یہ فضہ نے اُدھر خیمہ میں جاکر آواز
دن تو راحت کا کٹا عیش کی رات آپہنچی
در پہ اک رات کے بیاہے کی برات آپہنچی[1]

---

(۱) پاؤں پر بیٹوں کے آخر کو وہ سرکٹ کے گرا
* یہاں سے کچھ بند غائب ہیں

(۱) در پہ لو میرے خوزادے کی برات آپہونچی

(۹۵)

گھر میں لاشے کو لئے آئے شہ دیں ناگاہ
اُسی مسند پہ جہاں شب کو بنے تھے نوشاہ
لاش کو لاکے رکھا شہ نے بصد نالہ و آہ
غور سے چاہنے والوں نے جو کی بڑھ کے نگاہ
پائے نوشاہ پہ فضہ بھی اُدھر آکے گری
لاش پر مادر نوشاہ بھی غش کھا کے گری

(۹۶)

ہوش آیا تو کہا لٹ گئی میری دولت
آج کے دن تھی انہیں مرنے کی کیا کیا حسرت
خاک میں مل گئی یہ چاند سی ان کی صورت
ہے غضب صبح سے میں نے بھی نہ کی تھی شفقت
خوں میں رنگیں ہوئی پوشاک شہانی ان کی
خاک میں ملنے کی قابل تھی جوانی ان کی

(۹۷)

اب کہاں جاؤں گی راتوں کو جو گھبرائے گا دم
جان بھی دے دوں جو اس غم میں تو، وہ بھی تو ہے کم
میری جاں اٹھ کے ذرا دیکھو دلہن کا عالم
پھر نہ رونے کی اُسی طرح سے دو اُس کو قسم
پیٹ کر سر کہا زینبؑ سے کہ اب جایئے آپ
شب کی بیاہی کو بھی اس لاش پہ لے آیئے آپ

(۹۸)

حال زینبؑ کا یہ تھا پیٹتی تھیں سینہ و سر
بی بیاں لاش پہ لے آئیں دولہن کو جاکر
لاش کے پاس جو آئیں تو ہوا دل مضطر
جس کا دستور ہے آخر وہ اڑھائی چادر
دل میں رخصت کے زمانے کو کبھی یاد کیا
کبھی چپکے سے کہا کیوں ہمیں برباد کیا

(۹۹)

حشر میں حشر تو محشر میں ہوا اک محشر
کہا کبریٰ نے ہمیں تھی نہ رنڈاپے کی خبر
نہیں معلوم کہ مرنے سے ہوا کیا یہ اثر
خون دولہا کا یہ کہہ کہہ کے ملا چہرے پر
بھیڑ نامحرموں کی دیکھ کے شرمائیں گے
کچھ خبر بھی ہے تمہیں قید میں ہم جائیں گے

(۱۰۰)

بس قلم روک لے جاویدؔ یہ کر حق سے دعا
مجھ کو اندیشہ ہے رستے کی صعوبت کا بڑا
مرثیہ کہنا ان آفات میں آسان نہ تھا
اور جو جو کہ بلائیں ہیں وہاں سب سے بچا
عافیت سے مجھے پہنچا مرے گھر پر یا رب
میں مسافر ہوں مسافر کی مدد کر یا رب

رباعی

مولانا جاویدؔ اجتہادی

میں یہ نہیں کہتا کہ بجا کہتے ہیں
بلکہ یہ تعجب ہے کہ کیا کہتے ہیں
رتبے ہیں یداللہ کے کس کو معلوم
جو کچھ نہیں سمجھے وہ خدا کہتے ہیں

رباعی

مولوی سید محمد ضامن اثرؔ جائسی

کیا زور کمال تھا تمہارا شبیرؑ
چاہا نہ مصیبت میں سہارا شبیرؑ
اک رات میں اللہ، ازل اور ابد
دونوں کا ملا دیا کنارا شبیرؑ